مرثیہ

گُل ہائے خون خون

ع بے کار روزگار ہے بس دکھ ہے کام میں

بند : ۳۵

سنِ تصنیف : ۲۰۱۵ء

گُل ہائے خون خون

(۱)

بے کار روزگار ہے بس دکھ ہے کام میں
دکھ کائنات میں ہے تو دکھ ہے اَنام میں
دکھ جو شمیم میں ہے تو دکھ ہے مشام میں
دکھ ہے سماعتوں میں تو دکھ ہے کلام میں
دکھ کاروبارِ زندگی دکھ ہی کمائی ہے
دکھ ہی کے زیرِ سایہ خدا کی خدائی ہے

(۲)

جُز درد کے جہان میں رکھّا بھی کچھ نہیں
جز درد کے حیات سے پایا بھی کچھ نہیں
ہوتا بغیر درد کے پیدا بھی کچھ نہیں
پیدا سوائے درد کے ہوتا بھی کچھ نہیں
مذکور درد ہے یہاں معلوم درد ہے
ہر نفس کا زمین پہ مقسوم درد ہے

(۳)

حالت کہیں جسے کوئی حالت نہیں رہی
لوحِ گمانِ زیست، سلامت نہیں رہی
ہستی کو اب فنا سے شکایت نہیں رہی
اب بُود کے لبوں میں حلاوت نہیں رہی
اب حسرتوں کو صرف فنا کی تلاش ہے
ہر آن زندگی کو قضا کی تلاش ہے

(۴)

سورج کے آئے روز جگانے پہ رنج ہے
ہر روز ایک روز کے آنے پہ رنج ہے
پانی کے پینے، کھانے کے کھانے پہ رنج ہے
اب زندگی کا کام چلانے پہ رنج ہے
اشکوں کی جا پہ خون کے رونے کا رنج ہے
رہنے کا رنج ہے یہاں ہونے کا رنج ہے

(۵)

اب منظروں میں کوئی بھی رنگت نہیں رہی
چھائی ہوئی آج زمانے پہ تیرگی
چھینی گئی ہے چاند سے چہروں کی روشنی
اب زندگی زمیں پہ ہے محرومِ زندگی
پھر سے سویرے جیسا سویرا نہیں ہوا
اک شام بعد دُور اندھیرا نہیں ہوا

(۶)

اوراقِ زندگی کو بکھر جانا چاہیے
اب گیسوئے فنا کو سنور جانا چاہیے
ہر چشمِ تر کو خون سے بھر جانا چاہیے
بہتر یہی ہے اب ہمیں مر جانا چاہیے
اب یہ جگہ حیات کے قابل نہیں رہی
دنیا کسی بھی بات کے قابل نہیں رہی

(۷)

راہِ حیات ہو گئی مسدود یا خدا
ہوتے ہیں اہلِ بود کے نابود یا خدا
فریاد ہر ستم پہ ہے بے سود یا خدا
جزوِ فضا ہے بدبوئے بارود یا خدا
مقتل ہے ریگ زار تو گل زار قتل گاہ
مکتب، مطب مساجد و بازار قتل گاہ

(۸)

تھی جن کے جگمگانے سے گہ رونقِ جہاں
معصومیت کا جن سے مزیّن تھا آسماں
روز سیہ ستم کی گھٹاؤں نے ناگہاں
لوٹا ہے ہائے ایسے ستاروں کا کارواں
کیا دیکھنے کے واسطے اب چشم وا کریں
نورِ نظر نہ جب رہے آنکھوں کا کیا کریں

(۹)

معصوم پھول برقِ تجمّر سے جل گئے
نغمات، درد ناک فغاں میں بدل گئے
سب دل پسند گیت بھی نوحوں میں ڈھل گئے
ارمان انبساط کے، سینوں میں گل گئے
مارے گئے ہیں شیریں لباں ظلم و جبر سے
تلخی حیات کی ہے کہیں تلخ صبر سے

(۱۰)

آنکھیں بہت تھیں چاند سے چہروں کی منتظر
بانہیں تھیں اپنے بیٹوں کی بانہوں کی منتظر
مائیں تھیں اپنے راج دلاروں کی منتظر
یہ تو نہیں تھی پیاروں کی لاشوں کی منتظر
کندھوں پہ دوسروں کے اُٹھائے گئے ہیں اب
آئے نہیں ہیں خود سے، یہ لائے گئے ہیں اب

(۱۱)

خاموش نورِ چشم ہے، گویا ہے مامتا
کیوں ہو خموش، بولو ذرا، آج کیا ہوا
کس جا پہ چھوڑ آئے ہو بستہ وہ کیا ہوا
کس طرح کھیلتے رہے کیا حال کر لیا
کس سے لڑے کہ بندِ گریباں کھُلا لیے
وردی پہ سرخ داغ کہاں سے لگا لیے

(۱۲)

رکھو نہ بند آنکھوں کو پلکیں اٹھاؤ تم
جو کچھ ہوا بس مجھے سچ سچ بتاؤ تم
خاموش رہ کے یوں نہ مجھے اب ستاؤ تم
بولو تو اب کہ شور ہی چاہے مچاؤ تم
دیکھو تمھاری چپ سے بڑی ٹوٹ جاؤں گی
''امّاں'' نہ گر پکارا تو پھر روٹھ جاؤں گی

(۱۳)

خود خامشی کی وجہ بتاتے رہو گے تم
پھر اپنے جھوٹے عذر سناتے رہو گے تم
خود صلح کے بہانے بناتے رہو گے تم
روٹھی اگر جو مَیں تو مناتے رہو گے تم
تم جانتے ہو کیا ہے ضروری بتاؤں مَیں
مشکل سے مانتی ہوں اگر روٹھ جاؤں مَیں

(۱۴)

سمجھائے کون ماں کو یہ کیا ظلم ہو گیا
گریہ کناں ہیں ارض و سما، ظلم ہو گیا
چھائی ستم کی ایسی گھٹا، ظلم ہو گیا
چاندوں کا نور چھین لیا، ظلم ہو گیا
بچوں سے تھی نبردِ شقاوت سکول میں
ٹوٹی ہے آج ایک قیامت سکول میں

(۱۵)

اللہ دل خراش ہے منظر وہ اس قدر
جس پر ٹھہر نہ پائے ہے لمحے کو بھی نظر
منظر وہ دیکھے ایسا ہے وہ کون دیدہ ور
ہل جائے جس کو دیکھ کے تاریخ کا جگر

کنعانِ جاں کے چاند تھے بے جاں پڑے ہوئے
تھے چاہِ خوں میں کتنے ہی یوسف گرے ہوئے

(۱۶)

دیکھا فلک نے آج قیامت کا اک سماں
مارے گئے ہیں ظلم سے معصوم و نوجواں
آہیں، کہیں پہ نالے کہیں پر تھیں سسکیاں
جاں سوز تھا سکول کا منظر وہ الاماں

ڈوبے ہوئے تھے خون میں چہرے وہ ماہ سے
سیلِ لہو تھا جاری درِ درس گاہ سے

(۱۷)

دنیا کے غم میں آج عدن دل فگار ہے
غم میں زمیں کے چرخِ کہن دل فگار ہے
اتنا ہے درد سارا وطن دل فگار ہے
نغموں کی جا ہیں نوحے چمن دل فگار ہے

گریہ کناں ہیں آج گلستاں کے شوَل بھی
مسلے گئے ہیں ہائے کبھی ایسے پھوَل بھی

(۱۸)

دنیائے حسن ظلم نے لوٹی سکول میں
چھینی گئی ہے زینتِ ہستی سکول میں
اہلِ جفا نے کیسی جفا کی سکول میں
کھیلی گئی ہے خون سے ہولی سکول میں
کیا تھے سکول کے در و دیوار خون خون
ہیں ہیں ہوئے ہیں علم کے رخسار خون خون

(۱۹)

ہو کوہ و دشت اور دیاروں کے سر پہ خاک
خورشیدِ سرخ، چاند ستاروں کے سر پہ خاک
سر پر خزاں کے خاک بہاروں کے سر پہ خاک
دنیا کے سب حسین نظاروں کے سر پہ خاک
گل ہائے خون خوں پہ علیؑ اشک بار ہے
غم سے زمیں کے باپ کا سینہ فگار ہے

(۲۰)

مظلومیت کے رُخ پہ نمودار ہے نکھار
معصوم خوں نے کر دیا بارود بے وقار
ہے ظلم اور جہل کا مقسوم ننگ و عار
اب ہے قلم کے سامنے بندوق شرم سار
اُن پر سلام امن کے خوابوں پہ جان دی
مجرا انھیں، جنھوں نے کتابوں پہ جان دی

(۲۱)

ڈوبے ہوئے وہ خون میں چہروں کو بھولنا
لتھڑی ہوئی لہو میں کتابوں کو بھولنا
وردی پہ سرخ سرخ نشانوں کو بھولنا
ممکن نہیں ہے خون کے دھبّوں کو بھولنا
ہے اُن کی یاد فرض زمان و مکان پر
یہ درد نقش ہو گیا لوحِ جہان پر

(۲۲)

اب تو زمانے روزِ مصیبت کو جان لے
محشر سے پہلے حشر کی ساعت کو جان لے
اے، اب تو اشیا کی شقاوت کو جان لے
اے اب تو کربلا کی قیامت کو جان لے
ماؤں کے آگے بچوں کی لاشیں ہیں کیا ہے یہ
دیکھ اے زمانے غور سے کرب و بلا ہے یہ

(۲۳)

اب تو زمانے شورِ قیامت ہے، جاگ جا
پھولوں کے قاتلوں کو بھی اب دیکھ سر اٹھا
صدیوں سے جو سوال تھا اس کا جواب پا
کن وحشیوں نے کاٹا تھا شش ماہے کا گلا
تُو پوچھتا تھا کہ وہ بھلا کیسے لوگ تھے
ان قاتلوں کو دیکھ لے کچھ ایسے لوگ تھے

(۲۴)

کرب و بلا کی گرم ہوا اور وہ گل بدن
لب پر سوالِ آب تھا حلقوم میں چبھن
مشکل سے اپنا کھولنے پاتا وہ دہن
بالشت سے زیادہ نہ تھا جس کا پیرہن
مارا تھا اس کے حلق میں سہ شعبہ تیر کو
حرمل نے ذبح کر دیا پیاسے صغیر کو

(۲۵)

حلقوم سے امامؑ نے کھینچا ستم کا تیر
منہ سے لہو رضیع نے اُگلا بجائے شِیر
بولے حسینؑ نذر تری مالکِ قدیر
فریاد تھی ربابؑ کی ہائے مرے صغیر
دشتِ بلا میں ماں تجھے لائی خبر نہ تھی
ہے ہو گی ایسے دودھ بڑھائی خبر نہ تھی

(۲۶)

وہ جس نے یہ ستم کیا تجھ پر میرے صغیر
اولاد والا تھا نہ ستم گر؟ مرے صغیر
رحم اس کو آیا تجھ پہ نہ کیوں کر مرے صغیر
کہتی تھی ماں اَمِثْلُكَ يُنْحَر مرے صغیر
جاں سے گئے ہیں ایسے کہیں تیری عمر کے
حیواں بھی نحر ہوتے نہیں تیری عمر کے

(۲۷)

جی بھر کے ماں نے پیار بھی تجھ کو کیا نہیں
تُو نے خراجِ بوس بھی اتنا لیا نہیں
جینے کی طرح سے مرے بچے دنیا نہیں
اُگلا ہے خون، دودھ بھی جتنا پیا نہیں
ہو جاتی مَیں نثار اے چھ ماہ کے شہید
مادر ہے دل فگار اے چھ ماہ کے شہید

(۲۸)

جھولے سے تیرا خود کو گرانا سمجھ گئی
گھٹنوں کے بل وہ خیمے سے جانا سمجھ گئی
جھولی میں میری چین نہ پانا سمجھ گئی
خود کو وہ سُوئے موت بڑھانا سمجھ گئی
وہ پیاس تیری اصل میں الفت تھی موت سے
ماں سے زیادہ تم کو محبت تھی موت سے

(۲۹)

تھے مادرِ غریب کے نالے نثار ماں
تجھ پر مری نظر کے اُجالے نثار ماں
تجھ پر اے میری گود کے پالے نثار ماں
تجھ پر اے میرے ہنسلیوں والے نثار ماں
پرواں چڑھا نہ پائی ہے تجھ کو یہ یاس ہے
مادر کے ساتھ ساتھ زمیں بے حواس ہے

(۳۰)

عادلؔ یہ درد وہ نہیں جو کہ تمام ہو
لازم ہے اس کا تذکرہ با اہتمام ہو
مجلس غمِ صغیرؑ کی دنیا میں عام ہو
ماتم بھی اس شہید کا ہر صبح و شام ہو
اس غم سے چشمِ دہر سے بے کل ہے خوں رواں
یہ زخم وہ ہے جس سے مسلسل ہے خوں رواں

(۳۱)

ہوتا اگر یہ غم کبھی ہوتا نہ اس طرح
مانوس رہتی ظلم سے دنیا نہ اس طرح
انسانیت بھی بنتی تماشا نہ اس طرح
گل زارِ ارضِ پاک اُجڑتا نہ اس طرح
اس طرح روزگار کا نقشہ بگاڑتا
ایسے نہ ظلم زیست کا چہرہ بگاڑتا

(۳۲)

بس خوف ہے ہراس ہے وحشت ہے یا حسینؑ
تیری زمیں نشانۂ عبرت ہے یا حسینؑ
اس سرزمیں پہ جور کی شدّت ہے یا حسینؑ
تیرے وطن کو تیری ضرورت ہے یا حسینؑ
اس سانحہ پہ صبر کے قابل کوئی نہیں
اس درد کو اُٹھائے یہاں دل کوئی نہیں

(۳۳)

گل ہائے خون خون اُٹھائے ترے سوا
اپنے چمن میں کون سجائے ترے سوا
بالیں پہ اِن کی کون جو آئے ترے سوا
ان کو گلے سے کون لگائے ترے سوا
مظلوم ارضِ پاک کا تحفہ قبول کر
گل ہائے خون خون کا ہدیہ قبول کر

(۳۴)

کرب و بلا میں صبر دکھاتا رہا ہے تُو
بالیں پہ ہر شہید کی آتا رہا ہے تُو
اپنے شکستہ چاند اُٹھاتا رہا ہے تُو
ریتی پہ گل رخوں کو سجاتا رہا ہے تُو
بر سر زمینِ پاک پشاور ورُود ہو
اے نینوا کے حشر کے داور ورُود ہو

(۳۵)

پیغمبر و شبیہِ پیغمبر کے ساتھ آ
آ اپنے نور بار بہتّر کے ساتھ آ
اپنے ہر ایک ماہِ منوّر کے ساتھ آ
آ اے حسینؑ آ علی اصغرؑ کے ساتھ آ
آلودہ خوں میں حُسن کے پارے سمیٹ لے
یہ ایک سو پچاس ستارے سمیٹ لے

◆◆◆